علم الوقف والابتداء پر علامہ سجاوندی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمات

عبدالسلام*

ڈاکٹر حافظ انس نضر*

ABSTRACT

The Qur'an is the verses of Allah, which Allah Himself has taken assurance to keep safe. And there is no any other opinion in saying that the Holy Qur'an is still safe today as the prophet Muhammadﷺ taught to his Companions. Thereafter, it is also obligatory to follow the Qur'anic punctuation and pronunciation during the recitation of holy Quran same as mandatories mentioned in Quran o Hadith and ijma-e-ummah to earnest reading of the Qur'an. The Arabs were linguists, so they stop to the proper place, understanding the meaning. But for the non-Arabs, it was a very difficult matter. Therefore, for the convenience of the people, Allama Sajawandi put symbols in different places in the mus'haf so that these symbols can be dedicated in a suitable place keeping in mind and avoid spiritual error. Allama Sajawandi not only wrote many books on this topic but was the first to formulate endowment symbols on the Holy Quran. He Divide the symbols into five steps and apply them to the Mus'haf, Which are written still today.

Keywords: علم الوقف، حبس، قراءات، ابحاث، قطع، سبعہ احرف

* پی ایچ ڈی سکالر، شعبہ علوم اسلامیہ، یونیورسٹی آف لاہور، لاہور

* اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ علوم اسلامیہ، یونیورسٹی آف لاہور، لاہور

وقف کا لغوی معنی

لغت میں "وقف" کا معنی "حبس کرنا اور رکنا" ہے۔

اور اصطلاحِ قراءت میں بعد میں آنے والے کلمہ سے پہلے کلمہ کو جدا کرنا، وقف کہلاتا ہے۔ لفظ "وقف" قرآن کریم میں چار مقامات پر اپنے لغوی معنی کے طور پر استعمال ہوا ہے:

1۔ ﴿وَلَوْ تَرَىٰٓ إِذْ وُقِفُوا عَلَىٰ رَبِّهِمْ...﴾[1]

2۔ ﴿وَلَوْ تَرَىٰٓ إِذْ وُقِفُوا عَلَى النَّارِ...﴾(2)

3۔ ﴿مَوْقُوفُونَ عِندَ رَبِّهِمْ...﴾(3)

4۔ ﴿وَقِفُوهُمْ إِنَّهُم مَّسْئُولُونَ﴾(4)

تمام مقامات پر لفظ وقف ٹھہرنے اور رکنے کے معنی پر دلالت کر رہا ہے۔

اصطلاحی معنی

قراء کی وقف کے بارے میں مفصل اور طویل ابحاث ملتی ہیں۔ علم قراءات کے ابتدائی مؤلفین میں سے ابن انباری، ابن النحاس، امام ابو عمرو الدانی رحمۃ اللہ علیہم اور ان کے علاوہ دیگر قراء نے وقف کے متعلق طویل بحثیں کی ہیں، لیکن وقف کی باقاعدہ کوئی تعریف نہیں کی، البتہ ان کے کلام اور گفتگو سے ضمنی طور پر وقف کی تعریف معلوم کی جاسکتی ہے۔ سب سے پہلے جس شخصیت نے وقف کی باقاعدہ تعریف کی وہ علامہ ابن جزری رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ آپ فرماتے ہیں:

"الوقف: عبارة عن قطع الصوت على الكلمة زمنا يتنفس فيه عادة بنية إستئناف القراءة."(5)

---

[1] - الأنعام 6: 30

[2] - الأنعام 6: 37

[3] - سبا34: 31

[4] - الصافات37: 24

[5] -ابن الجزري، محمد بن محمد بن يوسف، النشر في القراءات العشر،المطبعة التجارية الكبرى، ط: 200م، ص: 240

"کسی کلمہ پر آواز کو کچھ لمحہ کے لیے قطع کرنے اور عادتاً سانس لینے کو وقف کہتے ہیں۔"

ابتداء کی تعریف

ابتداء، لغوی اعتبار سے وقف کی ضد ہے۔ کہا جاتا ہے:

"بدأتُ الشيء: فعلتُهُ ابتداءً - والبدء: فعلُ الشيء أولاً." [1]

"میں نے کام کی ابتداء کی، میں نے پہلے پہل اس کام کو کیا۔"

اور اصطلاح میں تلاوت شروع کرنے کو ابتداء کہتے ہیں، خواہ قطع کے بعد تلاوت کی جائے یا وقف کے بعد۔ اگر قطع کے بعد تلاوت کی جائے تو تعوذ اور تسمیہ کے احکام کی رعایت کرنا ضروری ہے۔ اور اگر تلاوت کی ابتداء وقف کے بعد ہو، تو تعوذ و تسمیہ پڑھنے کی ضرورت نہیں اس لیے کہ وقف، سانس اور استراحت کے لیے کیا جاتا ہے۔

قرآن کریم میں وقف اور ابتداء کی اہمیت

کسی قاری کے لیے یہ ممکن نہیں ہے کہ وہ کسی سورہ، کسی جزء یا بعض آیات کو ایک ہی سانس میں تلاوت کرے، اسے راحت اور سانس لینے کے لیے وقف کرنا ضروری ہوتا ہے۔ لہٰذا معنی اور مفہوم کو مد نظر رکھتے ہوئے سانس لیا جائے اور سانس لینے کے بعد مناسب کلمہ سے ابتداء کی جائے اور اس بات کا خیال رکھا جائے کہ معنی و مفہوم میں خلل نہ آئے۔ اس لیے کہ اسی سے قرآن کریم کا اعجاز ظاہر ہوتا ہے۔

عہدِ رسالت ﷺ میں وقف کی تعلیم

ابتدائے نزول سے قرآن مجید کی حفاظت جس طرح لکھ کر ہوئی ہے، اس سے کہیں زیادہ حفظ کے ذریعہ ہوئی ہے۔ تورات، انجیل اور دوسری آسمانی کتابوں اور صحیفوں کی حفاظت صرف بسینہ ہوئی، اس لیے وہ تغیر و تبدل اور دوسرے حوادث کا شکار ہو گئیں۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اپنے خداداد اور بے نظیر حافظے کو جاہلیت کے اشعار، انسابِ عرب حتیٰ کہ اونٹوں اور گھوڑوں کی نسلوں کے حفظ سے ہٹا کر آیاتِ الٰہی کے حفظ پر لگا دیا۔ عرب کے ضرب المثل حافظے نے چند ہی دنوں

---

[1] ـ إبن المنظور، محمد بن مكرم بن علي، لسان العرب، ماده: « بدأ » دارالصادر، بيروت، ط: 1414 ه، 27:1

میں ہزاروں حفاظ آیاتِ الٰہی کو معرضِ شہود میں لا کھڑا کیا، حفاظ کی کثرت کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ صرف جنگِ یمامہ میں شہید ہونے والے حفاظ کی تعداد سات سو تھی۔

امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ اپنی جامع میں روایت بیان کرتے ہیں:

" أَنَّ رَجُلًا خَطَبَ عِنْدَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالَ: مَنْ يُطِعِ اللهَ وَرَسُولَهُ، فَقَدْ رَشَدَ، وَمَنْ يَعْصِهِمَا، فَقَدْ غَوَى، فَقَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «بِئْسَ الْخَطِيبُ أَنْتَ، قُلْ: وَمَنْ يَعْصِ اللهَ وَرَسُولَهُ »[1]

"ایک آدمی نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس خطاب کیا اور کہا: جس نے اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کی وہ ہدایت یافتہ ہو گیا اور جس نے نافرمانی کی وہ بھی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تو برا خطیب ہے، چلا جا، یہاں سے یہ زیادہ مناسب تھا کہ تو اپنے کلام کو ملاتا اور یوں کہتا: جس نے اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کی وہ گمراہ ہو گیا۔"

ابن النحاس رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب "القطع والائتناف" میں روایت ذکر کرتے ہیں۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«إِنَّ هَذَا الْقُرْآنَ أُنْزِلَ عَلَى سَبْعَةِ أَحْرُفٍ فَاقْرَءُوا وَلَا حَرَجَ وَلَكِنْ لَا تَخْتِمُوا ذِكْرَ رَحْمَةٍ بِعَذَابٍ وَلَا ذِكْرَ عَذَابٍ بِرَحْمَةٍ» [2]

"بے شک قرآن سات حروف پر نازل ہوا، ان میں سے کسی بھی حرف کے مطابق تلاوت کرنے میں کوئی حرج نہیں، لیکن تم آیت رحمت کو ذکر عذاب پر ختم نہ کرو اور نہ کسی عذاب کے ذکر والی آیت کو رحمت کے ذکر پر ختم کرو۔"

ابن النحاس رحمۃ اللہ علیہ قاسم بن عاف بکری رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کرتے ہیں۔ وہ فرماتے ہیں کہ میں نے عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے سنا انہوں نے فرمایا:

"لَقَدْ عِشْنَا بُرْهَةً مِنْ دَهْرٍ وَأَحَدُنَا يَرَى الْإِيمَانَ قَبْلَ الْقُرْآنِ، وَتَنْزِلُ السُّورَةُ عَلَى

---

[1] ـ مسلم بن الحجاج أبو الحسن القشيري، المسند الصحيح المختصر بنقل العدل عن العدل إلى رسول الله صلى الله عليه وسلم، كتاب الجمعة، باب تخفيف الصلاة والخطبة، حديث: 48

[2] ـ النحاس، أبي جعفر، القطع والائتناف:ص 88، دار عالم الكتب، المملكة العربية، السعودية، 1413هـ

مُحَمَّدٍ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَنَتَعَلَّمُ حَلَالَهَا وَحَرَامَهَا، وَأَمْرَهَا وَزَاجِرَهَا، وَمَا يَنْبَغِي أَنْ نُوقَفَ عِنْدَهُ مِنْهَا، كَمَا تَعَلَّمُونَ أَنْتُمُ الْيَوْمَ الْقُرْآنَ." [1]

"ہم نے ایک ایسا زمانہ گزارا کہ جب ہم میں سے کوئی اسلام قبول کرتا، رسول اللہ ﷺ پر کوئی سورت نازل ہوتی تو آپ ﷺ اس میں بیان ہونے والے حلال وحرام کی تعلیم دیتے تھے اور جہاں مناسب سمجھتے وقف کی تعلیم بھی دیتے، جس طرح تم قرآن کی تعلیم حاصل کرتے ہو۔"

مختلف علوم میں اس فن کی ضرورت

ابن النحاس رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ بعض لوگوں نے ابن مجاہد کے بارے میں بتایا کہ وہ فرمایا کرتے تھے کہ وقف و ابتداء کے علم پر کوئی کامل عبور حاصل نہیں کر سکتا سوائے اس شخص کے جس میں یہ خصوصیات ہوں:

"عالمٌ بالقراءات، عالم بالتفسير، عالم بالقصص، وتلخيص بعضها من بعض، عالم باللغة التي نزل بها القرآن." [2]

"جو قراءات کو جانتا ہو، تفسیر اور قصص کا عالم ہو، اور اس لغت کو جانتا ہو جس میں قرآن کریم نازل ہوا۔"

معین الدین عبد اللہ النکزاوی رحمۃ اللہ علیہ کتاب الوقف میں کہتے ہیں:

"لابدّ للقارئ من معرفة بعض مذاهب الأئمة المشهورين في الفقه، لأن ذلك يُعينُ على معرفة الوقف والابتداء، لأن في القرآن مواضع ينبغي الوقف على مذهب بعضهم، ويمتنع على مذهب آخرين." [3]

"قاری کے لیے ضروری ہے کہ وہ فقہ کے مشہور آئمہ کے مذاہب کے بارے میں معرفت رکھتا ہو، اس لیے کہ یہ بھی وقف وابتداء کی معرفت میں معین ومددگار ہوتا ہے۔ اس لیے کہ قرآن کریم میں بعض مقامات ایسے ہیں جہاں بعض فقہا کے نزدیک وقف کرنا درست ہے اور بعض کے نزدیک ممنوع۔"

---

[1]۔ القطع والائتناف، ص: 87

[2]- القطع والائتناف، ص: 94- 95

[3]۔ السيوطي، جلال الدين، الإتقان في علوم القرآن، محقق: محمد أبو الفضل إبراهيم، ناشر: الهيئة المصرية، ط: 1394ھ- 1974 م، 1:297

اسی طرح علم نحو اور اس سے متعلقہ علوم کا جاننا بھی ضروری ہے۔ مثلاً:

﴿مِّلَّةَ أَبِيكُمْ إِبْرَاهِيمَ ...﴾[1]

اس آیت میں لفظ ﴿مِّلَّةَ﴾ اگرچہ منصوب ہے لیکن یہاں یہ (كَمِلَّةِ) کے معنی میں ہے۔ اور اس صورت میں اس کا عامل ما قبل جملہ ہے، جس پر وقف نہیں کیا گیا، اور جو منصوب پڑھتے ہیں وہ ما قبل لفظ پر وقف کرتے ہیں۔[2]

اسی طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَلَمْ يَجْعَل لَّهُ عِوَجَا﴾ اس پر وقف کرنا اور پھر لفظ ﴿قَيِّمًا﴾ سے ابتداء کرنا۔ بظاہر لفظ ﴿قَيِّمًا، عِوَجَا﴾ کی صفت معلوم ہو رہا ہے، لیکن یہ ممکن نہیں کہ جو بذات خود ٹیڑھا ہو وہ درست کرنے والا ہو۔

اسی طرح قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ کے فرامین ہیں:

﴿كِتَابِيَهْ﴾،[3] ﴿حِسَابِيَهْ﴾،[4] ﴿سُلْطَانِيَهْ﴾،[5] ﴿لَمْ يَتَسَنَّهْ﴾،[6] اور ﴿اقْتَدِهْ﴾[7] اور دیگر آیات میں ہائے ساکنہ پر وقف کرنا واجب ہے، اس لیے مصحف میں (ہ) کے ساتھ ہی لکھا ہوا ہے۔ اگر یہاں وقف کے بجائے وصل کریں گے، تو ہائے ساکنہ کو ساقط کرنا لازم آئے گا، اور اگر (ہ) کو ثابت رکھیں گے، تو یہ عربی قواعد کے مخالف ہو گا اور اگر اس کو حذف کریں گے، تو یہ مصحف کی مراد کے خلاف ہو گا اور کلام عرب کے موافق ہو گا۔ اور جب ہم اس پر وقف کریں گے، تو اسمیں کسی قسم کی مخالفت لازم نہیں آئے گی اور یہ مصحف اور کلام عرب

---

[1] - الحج 22: 78

[2] - القطع والائتناف، ص: 95

[3] - الحاقة 69: 19

[4] - الحاقة 69: 20

[5] - الحاقة 69: 29

[6] - الأنعام 6: 259

[7] - الأنعام 6: 90

کے موافق ہو گا۔[1]

اسی طرح جب ہم اس آیت میں کلمہ ﴿فإنها مُحَرَّمَةٌ عَلَيۡهِمۡ أَرۡبَعِينَ سَنَةً ...﴾[2] اس مقام پر وقف کریں گے، تو ہمیں اس کی تفسیر سمجھنے کی ضرورت پڑے گی، اس لیے کہ اس کا معنی ہے کہ یہ زمین ان پر ایک معینہ مدت یعنی چالیس سال تک حرام رہے گی۔

اور اگر ﴿فإنها مُحَرَّمَةٌ عَلَيۡهِمۡ﴾ پر وقف کریں گے، تو اس کا معنی ہو گا کہ وہ زمین ہمیشہ کے لیے ان پر حرام ہو گی۔ پس تفسیر کی طرف رجوع کرنا پڑے گا اور اس کے موافق وقف کیا جائے گا۔

اسی طرح ایک اور مقام ﴿مَنۢ بَعَثَنَا مِن مَّرۡقَدِنَا ...﴾[3] پر وقف کرنا مستحب ہے۔ اس لیے کہ اس کے بعد یہ کلام ﴿هَٰذَا مَا وَعَدَ ٱلرَّحۡمَٰنُ﴾ فرشتوں کا ہے۔[4]

علم وقف میں قراءات کی معرفت ہونا بھی ضروری ہے۔ مثلاً:

﴿وَكَتَبۡنَا عَلَيۡهِمۡ فِيهَآ أَنَّ ٱلنَّفۡسَ بِٱلنَّفۡسِ وَٱلۡعَيۡنَ بِٱلۡعَيۡنِ وَٱلۡأَنفَ بِٱلۡأَنفِ وَٱلۡأُذُنَ بِٱلۡأُذُنِ وَٱلسِّنَّ بِٱلسِّنِّ وَٱلۡجُرُوحَ قِصَاصٌ ...﴾[5]

اس آیت مبارکہ میں دو قراءتیں ہیں:

جمہور قرآء، رفع کے ساتھ ﴿وَالعَينُ بِالعَينِ﴾ پڑھتے ہیں۔

1. ﴿وَالعَينَ بِالعَينِ﴾ نصب کے ساتھ، یہ قراءت نافع، عاصم اور حمزہ رحمۃ اللہ علیہم کی ہے۔

"(الْعَيْنَ وَالْأَنْفَ وَالْأُذُنَ وَالسِّنَّ وَالْجُرُوحَ) فقرأ الكسائي بالرفع في الخمسة، وافقه في﴿الجُرُوحَ﴾ خاصة ابن كثير وأبو عمرو وأبو جعفر وابن عامر، وقرأ الباقون بالنصب".[6]

---

[1] ـ الزركشي، أبو عبد الله بدر الدين محمد بن عبد الله بن بهادر، البرهان في علوم القرآن، تحقيق: محمد أبو الفضل إبراهيم، ناشر: دار إحياء الكتب العربية، ط: 1376 هـ - 1957 م، 21:1

[2] ـ المائدة 5: 26

[3] ـ يٰسين 36: 52

[4] ـ البرهان 1: 422

[5] ـ المائدة 45:5

[6] ـ النشر، 2 : 254

جو قراء ﴿وَالعَينُ بِالعَينِ﴾ کو رفع کے ساتھ پڑھتے ہیں، ان کے نزدیک ﴿أَنَّ النَّفْسَ بِالنَّفْسِ﴾ پر وقف کرنا ضروری ہو گا۔

اس سے معلوم ہوا کہ معنی کو سمجھنا انتہائی ضروری ہے، اس لیے کہ کلام کو اسی وقت درست مقام پر قطع کیا جاسکتا ہے جب معنی کی معرفت ہو گی، اس لیے قاری کے لیے ضروری ہے کہ جب وہ قرآن کریم کی تلاوت کرے تو اس کے مفہوم پر بھی توجہ دے کہ وہ کیا قراءت کر رہا ہے، اور جب وقف کرے تو ایسے مقام کا انتخاب کرے جہاں بات مکمل ہو رہی ہو اور جب وہ ابتداء کرے، تو اس کی ابتداء بھی نہایت عمدہ ہو، وہ ایسے مقام پر وقف نہ کرے جس سے معنی و مفہوم کی خرابی لازم آتی ہو۔

علامہ سجاوندی رحمۃ اللہ علیہ اور ان کی علم الوقف والابتداء پر خدمات

محمد بن طیفور سجاوندی رحمۃ اللہ علیہ کے حالات زندگی پر مبنی کتب تقریباً نہ ہونے کے برابر ہیں۔ اس لیے ان کی زندگی، علمی سفر اور اساتذہ اور طلبہ کے بارے میں نہایت کم معلومات میسر آئی ہیں۔ یہاں تک کہ عربی زبان و ادب کی بڑی کتب، جن کو مصادر وماخذ کا درجہ حاصل ہے ان میں سے اکثر نے ذکر نہیں کیا، اگر کہیں پر کسی نے کچھ معلومات نقل کی ہیں، تو وہ مجہول اور عام معلومات ہیں۔

علامہ سجاوندی رحمۃ اللہ علیہ سے متعلق ابتدائی معلومات فراہم کرنے والے، ابو الحسن القفطی رحمۃ اللہ علیہ ہیں، لہٰذا وہ لکھتے ہیں:

> "محمد بن طیفور السجاوندی الغزنوی، مفسر، نحوی، اللغوی تھے اور انہوں نے ہمارے قریب کا زمانہ پایا ہے، انہوں نے چھٹی صدی ہجری کے وسط کا زمانہ پایا ہے۔ انہوں نے تفسیر قرآن میں ایک کتاب لکھی جس کا نام "عین التفسیر" رکھا، جس میں انہوں نے نحو، علل قراءات، اشع، ار ان کے معانی اور تفسیر کی توضیحات کو بیان کیا ہے۔ اس تفسیر کی کم جلدیں ہیں لیکن اس کے فوائد بہت زیادہ ہیں۔"[1]

---

[1] - القفطي، جمال الدين أبو الحسن علي بن يوسف، أنباه الرواة، تحقيق، محمد أبو الفضل إبراهيم، دار الفكر العربي - القاهرة، بيروت، ط: 1406 هـ - 1982م، 3:153

خیر الدین زرکلی رحمۃ اللہ علیہ نقل کرتے ہیں:

"محمد بن طیفور، ابوعبداللہ الغزنوی السجاوندی، امام کبیر عظیم محقق، قاری، مفسر، نحوی، لغوی تھے۔"[1]

غزنوی افغانستان کے مشہور شہر غزنی کی طرف نسبت کی وجہ سے غزنوی آپ کے نام کا جزء ہے، جیسا اس زمانے میں رواج تھا کہ علامہ یاقوت حموی رحمۃ اللہ علیہ نے اس نسبت کو اس طرح نقل کیا ہے:

"وهي مدينة عظيمة و ولاية واسعة في طرف خراسان وهي الحد بين خراسان والهند في طريق فيه خيرات واسعة إلا أن البرد فيه شديد جدا."[2]

"یہ ایک عظیم شہر ہے اور وسیع سلطنت ہے جو کہ خراسان کے ایک کنارے پر واقع ہے، جو کہ ہندوستان اور خراسان کا سرحدی علاقہ ہے، اس میں وسیع خوبیاں ہیں، سوائے اس کے اس میں سخت سردی پڑتی ہے۔"

آج اس زمانے میں یہ افغانستان کا مشرقی علاقہ ہے، دار الخلافہ کابل کے جنوب میں واقع ہے اور افغانستان کا اہم اور مشہور شہر ہے۔

علامہ حمیری رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں:

"ومدينة من مدن خوارم منها أبو الفضل محمد بن أبى يزيد طيفور السجاوندى غزنوى."[3]

"یہ خوارزم کے شہروں میں سے ایک ہے، ابو فضل محمد بن ابی یزید طیفور سجاوندی غزنوی اس شہر سے ہیں۔"

چنانچہ غزنوی کے نسبت غزنی شہر سے ہے، علامہ سجاوندی یہاں پر پیدا ہوئے اگرچہ یہاں ان کی پیدائش کے واضح ثبوت میسر نہیں آئے۔ ان کے نام سے ہی قیاس کیا جاسکتا ہے۔

علامہ زرکلی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

---

[1] - الزركلي، خير الدين، الإعلام قاموس تراجم، دار العلم للملايين، 2002م، 179:6

[2] - الحموي، ياقوت بن عبد الله، معجم البلدان، دار صادر، بيروت، لبنان، 1995م، 201:4

[3] ـ الصفوي، صلاح الدين عبد الله، الوافي بالوفيات، دار إحياء التراث، بيروت، س ن، 178:3

"ولم أجد (سجاوند) في كتب البلدان ولا كتب اللغة." [1]

"میں نے سجاوند کو نہ تو بلدان کی کتابوں میں پایا نہ ہی لغت کی کتابوں میں۔"

ان کے اس قول سے یہ بھی واضح ہوتا ہے کہ یہ لفظ بھی مستعمل نہیں ورنہ کسی پیشہ یا شخصیت یا کسی واقعہ سے منسوب کیا جاسکتا ہے۔ غالب قیاس یہی کیا جاسکتا ہے کہ یہ کوئی چھوٹا قصبہ یا گاؤں تھا، جو کسی وجہ سے صفحہ ہستی سے مٹ گیا، جو کہ صرف علامہ سجاوندی کے نام کا جزبنا۔ البتہ یہ ضرور سمجھ میں آتا ہے کہ یہ غزنی کا ہی کوئی گاؤں یا قصبہ تھا۔

ان کی کنیت کے بارے میں بھی اختلاف پایا جاتا ہے۔ ان مختلف کتابوں میں مختلف کنیتیں مذکور ہیں، جن کو یکجا کیا جائے تو تین بنتی ہیں:

1۔ ابوعبداللہ

2۔ ابوجعفر

3۔ ابوالفضل

علامہ جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نقل کرتے ہیں:

"محمد بن طيفور، ابو عبد الله الغزنوي سجاوندي."[2]

علامہ حمیری رحمۃ اللہ علیہ نقل کرتے ہیں:

"مدينة من مدن خوارزم منها أبو الفضل محمد بن أبي يزيد طيفور سجاوندي غزنوي." [3]

جبکہ علم الوقف والابتداء کی کتب میں ان کی کنیت ابوجعفر ذکر ہے:

"إنه أبو جعفر محمد بن طيفور السجاوندي الغزنوي." [4]

---

[1] - الاعلام، 27:7

[2] ۔ السيوطي، عبد الرحمن بن أبي بكر، طبقات المفسرين، مكتبة وهبة، القاهرة، مصر، 1396هـ، ص: 101

[3] ۔ الحميري، محمد بن عبد الله، الروض المعطار، مؤسسة ناصر للثقافة، بيروت، لبنان، 1980م، ص: 428

[4] ۔ الأشمونى، أحمد بن محمد بن عبدالكريم، منار الهدى في بيان الوقف والإبتدا، دارالكتب العلمية بيروت لبنان، 1422هـ، ص :6

گویا کہ ان کے حالات زندگی کی طرح ان کی حقیقی کنیت بھی مفقود ہے۔

علماء کی آراء

علامہ سجاوندی رحمۃ اللہ علیہ کے علم وفضل اور مقام ومرتبہ کا ان کے مابعد علماء کرام نے خوبصورت الفاظ میں اعتراف کیا ہے۔ ان کی تصانیف اس کا منہ بولتا ثبوت ہیں کہ وہ عظیم عالم دین تھے۔

علامہ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"المقري، المفسر، النحوي." [1]

"عظیم قاری، مفسر اور نحوی تھے۔"

علامہ ابن الجزری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"محمد بن طيفور أبو عبد الله السجاوندي الغزنوي إمام كبير، محقق، مقري، نحوي، مفسر.... وكان من كبار المحققين." [2]

"محمد بن طیفور ابو عبد اللہ السجاوندی غزنوی بہت بڑے امام، محقق، قاری، نحوی اور عظیم مفسر تھے اور ان کا شمار عظیم اور بڑے محققین میں ہوتا ہے۔"

علامہ داؤدی رحمۃ اللہ علیہ نے ان الفاظ میں تعریف فرمائی:

"محمد بن طيفور أبو عبد الله السجاوندي الغزنوي إما محقق مقرى نحوي مفسر."[3]

"محمد بن طیفور امام محقق، قاری، نحوی اور ایک عظیم مفسر تھے۔"

علامہ صفدی رحمۃ اللہ علیہ ان الفاظ میں ان کے علمی مقام کا اعتراف کرتے ہیں:

" الوقف والابتداء دليل على تبحره." [4]

---

[1] ۔ الذهبي، أبو عبد الله محمد بن أحمد بن عثمان، تاريخ الإسلام، تحقيق، عمر عبدالسلام التدمري، دار الكتاب العربي، بيروت، ط: 1413 هـ - 1993 م، ص: 368

[2] ۔ ابن الجزرى، إمام شمس الدين محمد بن محمد، غايةالنهاية في طبقات القراء، دارالكتب العلمية، 1400ھ، 157:2

[3] ۔ الداوودي، محمد بن على بن احمد، طبقات المفسرين، دارالكتب العلميه-بيروت، ط:1403ھ، 160:2

[4] ۔ الصفدي، صلاح الدين، الوافي بالوفيات، دار إحياء التراث العربي، بيروت، 2000م، 178:3

"علامہ سجاوندی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب 'الوقف والابتداء' ان کے تبحر علمی پر دلیل ہے۔"

ابن قاضی شہبہ رحمۃ اللہ علیہ بھی ان کو عظیم محققین میں شمار کرتے ہیں۔ فرماتے ہیں:

"بأنه من كبار المحققين."[1]

"بے شک وہ بڑے محققین میں سے تھے۔"

امام سیوطی رحمۃ اللہ علیہ اور داؤدی رحمۃ اللہ علیہ ان کو شمس العارفین کا لقب دیتے ہیں۔ یاقوت حموی رحمۃ اللہ علیہ یوں نقل فرماتے ہیں:

"أبو الحامد الملقب شمس العارفين." [2]

فقہی مذہب

اگرچہ دیگر حالات زندگی کی مانند ان کا فقہی مذہب واضح نہیں ہے، البتہ ان کے مکانی وزمانی حالات اور ان کی تصانیف سے یہ اندازہ لگانا مشکل نہیں ہے کہ وہ حنفی فقہ کے عالم دین تھے۔ جیسا کہ یحییٰ نے بیان کیا ہے:

"أن المؤلف ينهج نهج السلف الصالح في آيات الصفات إلا أنه يؤول في بعضها وفي الفقه مذهب الإمام أبي حنيفة." [3]

"آیات صفات میں علامہ سجاوندی رحمۃ اللہ علیہ کا منہج سلف الصالحین کے نہج پر ہے، سوائے بعض آیات کے جس میں وہ تاویل کرتے ہیں، اور فقہ میں امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے مذہب پر تھے۔"

وفات

علامہ صفدی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

" توفي سنة ستين وخمسمائة من الهجرة." [4]

"علامہ سجاوندی رحمۃ اللہ علیہ 560ھ میں فوت ہوئے۔"

علامہ قفطی رحمۃ اللہ علیہ بیان کرتے ہیں:

---

[1] ۔ السيوطي، جلال الدين، طبقات المفسرين العشرين، مكتبة وهبة القاهرة، 1396هـ،ص: 101

[2] ۔ طبقات المفسرين للسيوطي، ص: 101

[3] ۔ السجاوندي، محمد بن طيفور، عين المعاني، جامعة الإمام محمد بن سعود الإسلامية، الرياض، 7:1

[4] ۔ الوافي بالوفيات،178:3

" قريب العهد منا كان في وسط المائة السادسة الهجرة النبوية." [1]

علامہ سجاوندی رحمۃ اللہ علیہ کا زمانہ ہمارے عہد کے قریب کا ہے، وہ چھٹی صدی ہجری کے وسط تک تھے۔"

تصانیف

علامہ سجاوندی رحمۃ اللہ علیہ کی تصانیف کا تعین نہیں کیا جاسکتا کہ انہوں نے اپنی زندگی میں کل کتنی کتب تصنیف و تالیف کیں، مگر چند ایک کتب، جن کا تذکرہ مختلف کتب تراجم میں موجود ہے، ان میں بھی بعض کا صرف نام رہ گیا ہے اور کتب ناپید ہو چکی ہیں۔

علامہ سجاوندی رحمۃ اللہ علیہ کی چند کتب جو کہ "علم الوقف والابتداء" پر لکھی گئی ہیں، درج ذیل ہے:

1۔ عين المعاني في تفسير الكتاب العزيز والسبع المثاني:

علامہ قفطی رحمۃ اللہ علیہ اس کے متعلق لکھتے ہیں:

"صنف كتابا في تفسير القرآن العزيز سماه "عين التفسير" ذكر فيه النحو وعلل القراءات والابيات ومعانيها واللغة إلى غير ذالك من معاني التفسير في مجلدات اعدادها قليله وفوائدها كثيرة جليلة." [2]

"انہوں نے قرآن عزیز کی تفسیر میں ایک کتاب تصنیف کی، جس کا نام "عین التفسیر" رکھا، اس میں نحو، علل قراءات، اشعار اوران کے معانی، لغت وغیرہ ذکر کی گئی، کئی جلدیں تھیں، اگرچہ تعداد کم تھی، لیکن بہت مفید تھی۔"

علامہ ابن جزری، علامہ سیوطی، صفدی اور ابن قاضی رحمۃ اللہ علیہم نے بھی اس کتاب کی یوں تعریف کی ہے:

" له تفسير حسن للقرآن." [3]

"ان کی تفسیر نہایت اچھی ہے، قرآن پاک کے لیے۔"

---

[1] ۔ أنباه الرواة، 153:3

[2] ۔ أنباه الرواة، 3: 153

[3] ۔ الوافي بالوفيات، 178:3

ان کے بیٹے نے ان کی اس تفسیر کو مختصر کر دیا اور اس کا نام 'انسان العین' رکھا۔[1]

اس تفسیر کے 2 نسخے موجود ہیں۔

نسخہ اول:"معهد المخطوطات العربية" قاہرہ مصر میں موجود ہے، اس کا نمبر 151 ہے۔ یہ قرآن پاک کے آغاز سے سورۃ مریم تک ہے۔

نسخہ ثانیہ: سوڈان کے شہر رباط کی لائبریری "الخزانة العامة" یعنی پبلک لائبریری میں موجود ہے، اس کا نمبر 450 ہے۔ یہ قرآن پاک کے آغاز سے اختتام تک ہے۔

2- "علل الوقوف"

اس کا دوسرا نام" الوقف والابتداء الكبير" ہے۔[2]

3- "وقف القرآن"

اس کا دوسرا نام" الوقف والابتداء الصغير" ہے۔[3]

4-"علل القراءات"

یہ کئی جلدوں پر مشتمل ہے۔

5- "غرائب القرآن" [4]

6-"معرفة أحزاب القرآن وأنصافه وأرباعه وأجزائه" [5]

7- "الوقف والابتداء"

---

[1] ۔ أنباه الرواة، 153:3

[2] ۔ غاية النهاية، 157:2

[3] ۔ غاية النهاية، 157:2

[4] ۔ الوافي بالوفيات، 178:3

[5] ۔ باشا، ابن كمال، مخطوطات التفسير وعلومه، ص: 204

اسی کتاب کے بارے میں امام ذہبی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

"كتاب الوقف والابتداء في مجلد كبير تدل على تبحره." [1]

ان کی کتاب الوقف والابتداء جو ایک بڑی جلد پر مبنی ہے، ان کے علمی تبحر پر دلالت کرتی ہے۔

علامہ سجاوندی رحمۃ اللہ علیہ کی مقرر کردہ علامات اوقاف

محل وقف کی پہچان، لغت عرب کی واقفیت پر منحصر ہے اور ظاہر ہے کہ ہر شخص عربی زبان اور قرآن مجید کے معانی و مطالب سے واقف نہیں ہوتا، لہٰذا عامۃ الناس کی آسانی کے لیے سجاوندی رحمۃ اللہ علیہ نے وقف کی پانچ قسمیں بیان کی ہیں، جو درج ذیل ہیں:

1. لازم
2. مطلق
3. جائز
4. مجوز
5. مرخص

انہوں نے پانچوں اقسام کی علامات (م، ط، ج، ص، ز) مقرر کرتے ہوئے قرآن مجید میں لگادیں، جس سے عوام کو بہت سہولت ہوگئی ہے۔ پس ضرورت کے تحت آیات اور وقف کی علامات ہی پر وقف کرنا چاہیے۔

وقوف اور علاماتِ رموز کی مختصر تفصیل درج ذیل ہے:

وقف لازم

علامہ سجاوندی رحمۃ اللہ علیہ وقف لازم کی تعریف بیان فرماتے ہیں:

"فاللازم ما لو وصل طرفاه غُيرَ المرام." [2]

"وقف لازم ایسے وقف کو کہتے ہیں کہ اگر وہاں ملا کر پڑھا جائے تو بعد میں آنے والے کلام کی مراد

---

[1] ۔ تاريخ الإسلام: ص: 368

[2] ۔ السجاوندی، محمد بن طيفور، كتاب الوقف والابتداء، تحقيق: محسن هاشم درويش، دارالمناهج، عمان-اردن، ط1422هـ-2001م، :ص:105

تبدیل ہو جائے۔"

وقف لازم کی علامت (م) ہے۔ یہاں وقف کرنا ضروری ہے، فرض اور واجب نہیں ہے۔ علامات او قاف میں سے آیت کے بعد یہ سب سے قوی ترین علامت ہے۔ اگر اس کے قریب قریب دیگر علامات وقف بھی موجود ہوں تو میم پر ہی وقف کرنا چاہیے، کیونکہ قوی علامت کو چھوڑ کر ضعیف علامت پر وقف کرنا درست نہیں ہے۔ اس علامت پر وقف کر کے مابعد سے ابتداء کرنی چاہیے۔

علامہ سجاوندی رحمۃ اللہ علیہ نے وقف لازم کی مندرجہ ذیل چار صورتیں ذکر کی ہیں:

1۔ ایسا مقام جہاں وقف نہ کیا جائے تو معنیٰ الٹ جائے۔ جیسے:

﴿وَمَا هُم بِمُؤْمِنِينَ﴾(1) پر وقف کرنا لازم ہے۔ یہاں وقف نہ کرنے سے یہ شبہ ہوتا ہے کہ جملہ ﴿يُخَادِعُونَ اللَّهَ﴾ لفظ ﴿بِمُؤْمِنِينَ﴾ کی صفت ہے۔ اس صورت میں معنیٰ یہ ہو جاتے ہیں کہ وہ منافقین ایسے مؤمن نہیں ہیں جو اللہ تعالیٰ سے دھوکہ کرتے ہوں، بلکہ سچے اور مخلص مؤمن ہیں اور یہ معنیٰ مراد الٰہی کے بالکل خلاف ہے۔ جبکہ ﴿بِمُؤْمِنِينَ﴾ پر وقف کرنے سے جملہ ﴿يُخَادِعُونَ اللَّهَ﴾ کا مستانفہ ہونا واضح ہو جاتا ہے۔ اور معنیٰ یہ ہو جاتے ہیں کہ وہ منافقین مؤمن بھی نہیں ہیں اور اللہ سے دھوکہ اور فریب بھی کرتے ہیں۔

2۔ ایسا مقام جہاں وقف نہ کیا جائے تو اگلا جملہ پہلے جملے کا ظرف بنتا دکھائی دے، جیسے:

﴿ وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَأَ ابْنَيْ آدَمَ بِالْحَقِّ إِذْ قَرَّبَا قُرْبَانًا﴾(2) اگر یہاں ﴿بِالْحَقِّ﴾ پر وقف نہ کیا جائے تو اگلے جملے میں مذکور ﴿إِذْ﴾ پہلے جملے میں مذکور ﴿وَاتْلُ﴾ کا ظرف بنے گا، اور معنیٰ میں خرابی آئے گی۔ حالانکہ ﴿إِذْ﴾ کا عامل تو اذکر محذوف ہے۔ اصل عبارت یوں ہے: ﴿وَاذْكُرْ إِذْ قَرَّبَا قُرْبَانًا﴾

3۔ ایسا مقام جہاں وقف نہ کیا جائے تو اگلا جملہ مستقل جملہ ہونے کے باوجود جملہ کا حصہ سمجھا جائے۔ مثلاً:

﴿وَلُعِنُوا بِمَا قَالُوا بَلْ يَدَاهُ مَبْسُوطَتَانِ﴾(3) اگر یہاں ﴿قَالُوا﴾ پر وقف نہ کیا جائے ﴿بَلْ يَدَاهُ﴾ یہود

1۔ البقرة 2: 8

2۔ المآئدة 5:27

3۔ المآئدة 5:46

کا قول محسوس ہو گا، حالانکہ یہ اللہ تعالیٰ کا قول ہے جو یہود کے قول ﴿يَدُ ٱللَّهِ مَغۡلُولَةٌ﴾ کے جواب میں کہا گیا ہے۔

4۔ ایسا مقام جہاں وقف نہ کیا جائے تو اگلا جملہ پہلے جملہ کی خبر بنتا محسوس ہو۔ مثلاً:

﴿وَٱلَّذِينَ ٱتَّخَذُواْ مِن دُونِهِۦٓ أَوۡلِيَآءَ مَا نَعۡبُدُهُمۡ إِلَّا لِيُقَرِّبُونَآ﴾(1) اگر یہاں ﴿أَوۡلِيَآءَ﴾ پر وقف نہ کیا جائے تو ﴿مَا نَعۡبُدُهُمۡ﴾ کا جملہ گزشتہ جملے کی خبر بن جائے گا، حالانکہ گزشتہ جملے کی خبر محذوف ہے۔ اصل میں ہے ﴿يقولون مَا نَعۡبُدُهُمۡ﴾

وقف مطلق

علامہ سجاوندی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی تعریف بیان کی:

"والمطلق ما يحسن الابتداء بما بعده." (2)

"وقف مطلق وہ وقف ہے جہاں وقف کے بعد آئندہ کلمے سے ابتداء بہتر ہو۔"

وقف مطلق کی علامت (ط) ہے۔ وقف لازم کے بعد وقف مطلق کا درجہ ہے، وقف مطلق ایسی جگہ ہوتا ہے جہاں کلام تو پورا ہو جائے، لیکن وصل کرنے سے مراد الٰہی کے خلاف معنیٰ کا وہم پیدا نہیں ہوتا۔ یہاں وقف کر کے مابعد سے ابتداء کرنا بہتر ہے۔

علامہ سجاوندی رحمۃ اللہ علیہ نے وقف مطلق کی مندرجہ ذیل صورتیں بیان کی ہیں۔

2. اسم جو مبتدا بن رہا ہو۔ جیسے ﴿ٱللَّهُ يَجۡتَبِيٓ إِلَيۡهِ مَن يَشَآءُ﴾(3)

3. وہ فعل جس کے شروع میں (س) ہو اور نیا کلام شروع ہو رہا ہو۔ جیسے ﴿سَيَقُولُ ٱلسُّفَهَآءُ مِنَ ٱلنَّاسِ﴾(4)

---

[1] ۔ الزمر 3:39

[2] ۔ کتاب الوقف والابتداء، ص:107

[3] ۔ الشوریٰ 13:42

[4] ۔ البقرة 2: 142

وہ فعل جس کے شروع میں (س) نہ ہو۔ جیسے ﴿يَعْبُدُونَنِي لَا يُشْرِكُونَ بِي شَيْئًا﴾[1]

ایسا مفعول جس کا عامل محذوف ہو۔ جیسے ﴿وَعْدَ اللَّهِ حَقًّا﴾[2] اصل میں (وعد الله وعدًا) تھا جب فعل حذف کیا گیا تو مصدر کو فاعل کی طرف منسوب کر دیا گیا۔ ایک اور جگہ ہے ﴿سُنَّةَ اللَّهِ﴾[3] اصل میں (سن الله سنةً) تھا۔

1. کوئی شرط ہو۔ جیسے ﴿مَن يَشَإِ اللَّهُ يُضْلِلْهُ﴾[4] یا ﴿إِن يَكُن مِّنكُمْ عِشْرُونَ صَابِرُونَ﴾[5]
2. استفہام ہو۔ جیسے ﴿أَتُرِيدُونَ أَن تَهْدُوا مَنْ أَضَلَّ اللَّهُ﴾(6)
3. ہمزہ استفہام محذوف ہو۔ ﴿تُرِيدُونَ عَرَضَ الدُّنْيَا﴾[7]
4. نفی ہو۔ جیسے ﴿مَا كَانَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ﴾[8]
5. ان ہو۔ جیسے ﴿إِلَّا لِيُقَرِّبُونَا إِلَى اللَّهِ زُلْفَىٰ إِنَّ اللَّهَ يَحْكُمُ بَيْنَهُمْ فِي مَا هُمْ فِيهِ يَخْتَلِفُونَ إِنَّ اللَّهَ لَا يَهْدِي مَنْ هُوَ كَاذِبٌ كَفَّارٌ﴾ (9)
6. پہلے غائب کے صیغے استعمال ہو رہے ہوں پھر حاضر کے صیغے استعمال ہوں یا اس کے برعکس۔ جیسے ﴿وَلَقَدْ أَخَذَ اللَّهُ مِيثَاقَ بَنِي إِسْرَائِيلَ وَبَعَثْنَا مِنْهُمُ اثْنَيْ عَشَرَ نَقِيبًا وَقَالَ اللَّهُ إِنِّي مَعَكُمْ﴾[10] اس میں پہلے ﴿أَخَذَ﴾ غائب کا صیغہ استعمال ہوا پھر ﴿بَعَثْنَا﴾ متکلم کے صیغے سے کلام کیا

---

1 ۔ النور 55:24
2 ۔ النسآء 4:122
3 ۔ الأحزاب 33:38
4 ۔ الأنعام 39:6
5 ۔ الأنفال 65:8
6 ۔ النسآء 88:4
7 ۔ الأنفال 67:8
8 ۔ القصص 68:28
9 ۔ الزمر 3:39
10 ۔ المآئدة 12:5

گیا اور پھر ﴿قَالَ﴾ غائب کے صیغے سے کلام کیا گیا۔

7. ماضی کا صیغہ استعمال ہو پھر مستقبل کا صیغہ استعمال کیا جائے۔ ﴿يَهْدِي إِلَى الرُّشْدِ فَآمَنَّا بِهِ وَلَن نُّشْرِكَ بِرَبِّنَا أَحَدًا﴾[1] ﴿فَآمَنَّا﴾ ماضی کا صیغہ ہے جبکہ ﴿نُّشْرِكَ﴾ مستقبل کا صیغہ ہے۔

8. پہلے استفہام ہو پھر خبر ہو۔ جیسے ﴿أَمْ حَسِبْتُمْ أَن تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَلَمَّا يَأْتِكُم مَّثَلُ الَّذِينَ خَلَوْا مِن قَبْلِكُم مَّسَّتْهُمُ الْبَأْسَاءُ وَالضَّرَّاءُ وَزُلْزِلُوا حَتَّىٰ يَقُولَ الرَّسُولُ وَالَّذِينَ آمَنُوا مَعَهُ مَتَىٰ نَصْرُ اللَّهِ أَلَا إِنَّ نَصْرَ اللَّهِ قَرِيبٌ﴾[2]۔ ﴿أَمْ حَسِبْتُمْ﴾ استفہام ہے پھر ﴿مَّسَّتْهُمُ﴾ خبر کا اسلوب ہے تو ان مقامات پر وقف مطلق ہو گا۔

وقف جائز

علامہ سجاوندی لکھتے ہیں:

"الجائز فمایجوز فیه الوصل والفصل لتجاذب الموجبين من الطرفين."[3]

"وقف جائز وہ وقف ہے جہاں وصل اور فصل دونوں کے اسباب موجود ہوں۔"

وقف جائز کی علامت (ج) ہے۔ اگر وقف کر لیا جائے، تو مابعد سے ابتداء کرنی چاہیے۔ وقف مطلق کے بعد وقف جائز کا درجہ ہے۔ جیسے ﴿وَالَّذِينَ يُؤْمِنُونَ بِمَا أُنزِلَ إِلَيْكَ وَمَا أُنزِلَ مِن قَبْلِكَ وَبِالْآخِرَةِ هُمْ يُوقِنُونَ﴾(4) ﴿وَبِالْآخِرَةِ﴾ کا واؤ عاطفہ وصل کا تقاضا کرتا ہے جبکہ ﴿بِالْآخِرَةِ﴾ اپنے عامل یعنی ﴿يُوقِنُونَ﴾ سے مقدم ہے جو تقاضا کرتا ہے کہ یہ جملہ پہلے جملے سے جدا ہو اور تقدیری عبارت یوں ہو۔ (وهم يوقنون بالآخرة)

اسی طرح سے آیت مبارکہ ﴿وَلَكُم مَّا كَسَبْتُمْ وَلَا تُسْأَلُونَ عَمَّا كَانُوا يَعْمَلُونَ﴾ (5) ﴿وَلَا تُسْأَلُونَ﴾

---

[1] ۔ الجن 2:72

[2] ۔ البقرۃ 214:2

[3] ۔ كتاب الوقف والابتداء:ص:107

[4] ۔ البقرۃ 4:2

[5] ۔ البقرۃ 134:2

میں واؤ عاطفہ وصل کا تقاضا کرتی ہے جبکہ اسلوب کا اختلاف فصل کا تقاضا کرتا ہے۔

وقف مجوز

علامہ سجاوندی رحمۃ اللہ علیہ اس قسم کے متعلق فرماتے ہیں کہ:

"المجوزلوجه : فمايجوز فيه الفصل بوجه ضعيف." [1]

"وقف مجوز وہ وقف جو کسی کمزور وجہ سے جائز قرار دیا گیا ہو۔"

وقف مجوز کی مثال

﴿أُولَئِكَ الَّذِينَ اشْتَرَوُا الْحَيَاةَ الدُّنْيَا بِالْآخِرَةِ فَلَا يُخَفَّفُ عَنْهُمُ الْعَذَابُ وَلَا هُمْ يُنصَرُونَ﴾[2]

معنیٰ پر غور کیا جائے تو ﴿فَلَا يُخَفَّفُ﴾ جواب شرط یا جزا کے قائم مقام ہے، اس اعتبار وصل ضروری ہے جبکہ ﴿فَلَا يُخَفَّفُ﴾ کے فعل سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ یہ مستانفہ ہے۔ لہٰذا اس وجہ کا اعتبار کرتے ہوئے یہاں وقف جائز قرار دیا گیا۔

سورہ بقرۃ کے پہلے رکوع میں ﴿وَعَلَىٰ أَبْصَارِهِمْ غِشَاوَةٌ وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ﴾[3] میں ﴿غِشَاوَةٌ﴾ پر وقف مجوز کی علامت ہے۔ یہ دو جملے ہیں۔ پہلا جملہ ﴿وَعَلَىٰ أَبْصَارِهِمْ غِشَاوَةٌ﴾ ہے کہ وہ ایسے اندھے ہیں، جو حق کو نہیں دیکھ سکتے۔ اور دوسرے جملے ﴿وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ﴾ میں ان کی آخرت کی حالت کا تذکرہ ہے کہ ان کے لیے بڑا عذاب ہے اس صورت میں یہ پہلے جملے کا نتیجہ ہو گا، کہ کفار کی تمام بری عادات پر انہیں اس وعید سے دوچار ہونا پڑے گا۔

جبکہ وصل کی دلیل یہ ہے کہ دونوں جملے ہی اسمیہ ہیں اور دونوں میں تذکرہ بھی ایک ہی گروہ کا ہے، یعنی کافروں کی بدحالی کا تذکرہ ہے اور معنوی اتحاد، وصل کی دلیل ہے اور یہ دلیل قوی ہے۔

---

[1] ۔ كتاب الوقف والابتداء، ص:107

[2] ۔ البقرة 86:2

[3] ۔ البقرة 2: 7

وقف مرخص

علامہ سجاوندی رحمۃ اللہ علیہ اس قسم کے متعلق فرماتے ہیں:

"والمرخص ضرورة: مالایستغني ما بعده عما قبله لکنه یرخص الوقف ضرورة انقاع النفس لطول الکلام ولا یلزمه الوصل بالعود." [1]

"وقف مرخص اس وقف کو کہتے جہاں آئندہ جملے کا تعلق گزشتہ جملے سے ہو، لیکن کلام طویل ہونے کی بنا پر سانس ختم ہو جائے، تو دوبارہ ملا کر پڑھنے کی ضرورت نہ پڑے۔"

وقف مرخص کی علامت (ص) ہے۔ اس پر وقف کرنے کی رخصت ہے۔ یعنی یہ حالت مجبوری اس بات کی رخصت واجازت ہے کہ یہاں وقف کر لیا جائے۔ یہ وقف ایسے دو جملوں کے درمیان ہوتا ہے، جن میں سے ہر ایک کا دوسرے کے ساتھ تعلق ہوتا ہے۔ جیسے

﴿وَالسَّمَاءَ بِنَاءً وَأَنزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَأَخْرَجَ بِهِ مِنَ الثَّمَرَاتِ رِزْقًا لَّكُمْ فَلَا تَجْعَلُوا لِلَّهِ أَندَادًا وَأَنتُمْ تَعْلَمُونَ﴾ [2]

میں ﴿بِنَاءً﴾ پر وقف کرنا اس لیے کہ آئندہ جملے کا گزشتہ جملے سے تعلق ہے کہ ﴿أَنزَلَ﴾ کی ضمیر پہلے جملے میں مذکور ﴿الذِی﴾ سے تعلق رکھتی ہے، لہذا یہاں وصل ضروری تھا۔ لیکن ضرورت کی بنا پر وقف کے بعد ﴿أَنزَلَ﴾ سے ابتداء بھی درست ہو گی۔ کیونکہ یہ جملہ بھی ﴿أَنزَلَ﴾ میں فاعل کی ضمیر پوشیدہ ہونے کی وجہ سے مکمل جملہ بن رہا ہے۔

اسی طرح

﴿الَّذِينَ يَنقُضُونَ عَهْدَ اللَّهِ مِن بَعْدِ مِيثَاقِهِ وَيَقْطَعُونَ مَا أَمَرَ اللَّهُ بِهِ أَن يُوصَلَ وَيُفْسِدُونَ فِي الْأَرْضِ أُولَٰئِكَ هُمُ الْخَاسِرُونَ﴾ [3]

یہاں ﴿يَقْطَعُونَ﴾ پہلے جملے میں مذکور ﴿يَنقُضُونَ﴾ پر معطوف، یہ اس بات کا متقاضی ہے کہ یہاں

---

[1] ۔ کتاب الوقف والابتداء، ص:112

[2] ۔ البقرة 22:2

[3] ۔ البقرة 27:2

وصل کیا جائے، البتہ اگر ضرورت کی بنا پر وقف کر لیا تو ﴿يَقْطَعُونَ﴾ سے ابتداء درست ہو گی، کیونکہ یہ جملہ مکمل معنیٰ دے سکتا ہے۔ اگرچہ اس فعل کی نسبت ماقبل مذکور ﴿يَنقُضُونَ﴾ کی ضمیر فاعل کی طرف ہو گی۔

خلاصہ بحث

علم الوقف والابتداء کی ابتداء آپ ﷺ کے زمانے سے ہی ہو گئی تھی اور آپ ﷺ جس طرح قرآن مجید کے الفاظ کی تعلیم فرماتے تھے اسی طرح وقف کی تعلیم بھی فرماتے تھے، بلکہ ایسے مقام پر وقف، جس سے معنیٰ میں اشتباہ کا خطرہ ہوتا، وقف کرنے پر تنبیہ بھی فرمائی۔ اسی اہمیت کے پیش نظر اس علم کی باقاعدہ تعلیم دی جاتی تھی۔

عرب چونکہ اہل زبان تھے لہذا وہ مفہوم کو سمجھتے ہوئے مناسب مقام پر وقف کرتے تھے، مگر غیر عرب کے لیے یہ امر انتہائی مشکل تھا، لہذا غیر عرب عوام کی سہولت کی خاطر سب سے پہلے علامہ سجاوندی رحمۃ اللہ علیہ نے وقوف کی درجہ بندی کی اور ان کے رموز متعین کیے پھر ان رموز کو قرآن مجید میں مختلف مقامات پر لگا دیے تاکہ ان رموز کو مد نظر رکھتے ہوئے مناسب مقام پر وقف کیا جائے اور معنوی غلطی سے بچا جائے۔